علامہ شبلی نعمانیؒ کا سیرت نگاری میں درایتی معیار
(ایک تجزیاتی مطالعہ)

عاصم نعیم*

قرآن اور سنت، دین وشریعت اور سیرت کے بنیادی مآخذ ہیں۔ سیرت کے دیگر مصادر، ان دو بنیادی مصادر کے ساتھ مل کر، سیرت کی تکمیل وتزئین کرتے ہیں۔ قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول ﷺ کے باہمی تعلق کی بنیاد بھی سیرتِ رسول ﷺ ہے، کہ اس تعلق کا آغاز، رسول اللہ ﷺ پر نزولِ وحی سے ہوا۔ اپنی دعوت کے آغاز سے لے کر وقتِ وصال تک، آپ ﷺ کو مختلف قسم کے حالات کا سامنا رہا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تمام مراحل پر آپ کو وحیِ قرآنی کی صورت میں ہدایت و راہنمائی ملتی رہی۔ سنت و حدیث، آپ ﷺ کے اقوال وافعال، خصائل وعادات، اور خصائص و احوال کے ریکارڈ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ درایتِ حدیث، مباحث ومسائل کے اس مجموعے کو کہا جاتا ہے، جس سے راوی اور مروی (روایت) کا حال قبولیت یا عدم قبولیت کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، یعنی اس علم میں سند اور متن کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ ایجابی وسلبی ہر دو پہلوؤں سے عقلی اور نقلی معیاروں پر روایت کو پرکھا جاتا ہے کہ اس سے کسی مسلمہ اصول اور قرآنی تصریحات کی خلاف ورزی تو لازم نہیں آتی۔ اصولی طور پر قرآنِ حکیم اور کتب احادیث کو ہی کتبِ سیرت کا ماخذ ہونا چاہیے تھا۔ تاہم کتبِ سیرت کی ارتقائی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کے موضوع پر تصنیف و تالیف کا آغاز کتبِ مغازی سے ہوا ہے۔ اصحابِ مغازی جیسے، عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان، ابن شہاب زہری، واقدی اور ابن اسحاق وغیرہم کی روایات سیرت کا مصدر قرار پائیں۔ ان ابتدائی کتب میں مستند اور غیر مستند، ہر دو قسم کی روایات پائی جاتی تھیں۔ بعد ازاں صحیح روایات کی مدد سے سیرت لکھنے کا رجحان سامنے آیا۔ برصغیر پاک وہند میں تصنیفِ سیرت کو قرآنی تصریحات اور درایتِ حدیث پر پرکھنے کا ایک جدید اور جاندار رجحان دینے والی شخصیت علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) ہیں۔

اردو زبان میں سیرت کی مشہور ترین کتاب ''سیرۃ النبی'' (۱) کے مصنف، علامہ شبلی نعمانی، انیسویں اور بیسویں صدی کی وہ نامور اور معروف علمی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی ہمہ جہت دینی وعلمی سرگرمیوں اور وقیع تحقیقی وتنقیدی نگارشات سے اس خطہ کے تہذیبی ورثہ کو مالا مال کیا ہے۔ عصرِ حاضر کی علمی وادبی تاریخ خصوصاً سیرتی ادب کے تذکرہ

* لیکچرر، شعبہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

استقرا اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام واقعات میں خود صحاحِ ستہ کی روایتیں مل جاتی ہیں۔ ہماری اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اکثر تفصیلی واقعات ہم نے حدیث ہی کی روایتوں سے ڈھونڈ کر مہیا کیے جو اہل سیر کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے۔'' (۴) مزید کہتے ہیں:

''بعض واقعات نہایت اہم ہیں ان کے متعلق حدیث کی کتابوں میں ایسی مفید معلومات موجود ہیں جن سے تمام مشکل حل ہو جاتی ہے لیکن سیرت و تاریخ میں ان معلومات کا ذکر نہیں۔ مثلاً یہ امر کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو لڑائی کا سلسلہ جنابی کس طرف سے شروع ہوا؟ ایک بحث طلب واقعہ ہے۔ تمام ارباب سیر اور مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا کی، لیکن سنن ابی داؤد میں صاف اور واضح تصریح ہے کہ جنگِ بدر سے پہلے کفار مکہ نے عبداللہ بن ابی کو یہ خط لکھا کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر میں پناہ دی ہے ان کو نکال دو، ورنہ ہم خود مدینہ آ کر تمہارا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا استیصال کر دیں گے۔'' (۵) سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ سرے سے منقول نہیں۔

iii۔ راویانِ سیرت کی تحقیق:

علامہ شبلی کے نزدیک (احادیث کی روشنی میں) تاریخی واقعات کی تحقیق اور ان کی صحت و عدم صحت معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں: پہلا طریقہ روایت۔ یعنی سلسلہ روایت متصل ہو اور تمام رواۃ پر نقد و جرح کی نظر ڈال کر دیکھا جائے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے، قابلِ اعتبار ہیں یا ناقابل اعتبار۔ دوسرا طریقہ ان کے نزدیک درایت ہے یعنی یہ دیکھنا کہ جو واقعہ بیان کیا جا رہا ہے ازروئے عقل صحیح ہے یا نہیں۔ قیاس و قرینے سے اس کی تصدیق ہو رہی ہے یا تکذیب۔ (۶) ابن سعد اور طبری کے بارے میں علامہ شبلی کی رائے یہ ہے کہ ان کے بہت سے رواۃ، ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہیں۔ واقدی ان کی نظر میں کسی طرح قابلِ اعتبار نہیں۔ جبکہ ابن ہشام کے راویوں کو بھی انہوں نے مشکوک قرار دیا ہے۔ اس بنا پر ان کی نظر میں مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ کتبِ حدیث کے ہم پلہ نہیں۔ ان کتب میں اکثر جگہ مستند احادیث کی کتب سے اعتنا نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ ان میں سے تحقیق و تنقید کے معیار پر جو اُتر جائے وہ حُجت اور استناد کے قابل ہے۔ (۷) قبل از بعثت شام کے سفر میں نبی ﷺ کی بحیرہ راہب سے ملاقات کے واقعہ پر ان کا تبصرہ اس کی ایک مثال ہے۔ (۸)

فاضل مصنف نے روزمرہ اور عام واقعات میں ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتیں کافی خیال کی ہیں لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں، ان کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے، اور تا امکان کدو کاوش کی ہے۔ اس خاص ضرورت کے لیے انہوں نے پہلا کام یہ کیا ہے کہ ابن ہشام، ابن سعد اور طبری کے تمام رواۃ کے نام الگ

۲۔ دستاویز میں کاتب کا نام معاویہؓ ہے حالانکہ وہ فتح مکہ میں اسلام لائے۔

۳۔ اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں آیا تھا۔ جزیہ کا حکم قرآن مجید میں غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوا۔

۴۔ دستاویز میں تحریر ہے کہ یہودیوں سے بے گار نہیں لی جائے گی حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بے گار کا رواج ہی نہیں تھا۔

۵۔ خیبر والوں نے اسلام کی مخالفت کی تھی۔ ان سے جزیہ معاف کیوں کیا جاتا؟

۶۔ اگر ان سے جزیہ معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے ہوا خواہ، دوست اور واجب الرعایۃ ہیں حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کر دیئے گئے۔ (۱۴)

۷۔ واقعات کے اسباب وعلل کی بحثیں:

علامہ شبلی، یورپین مصنفین کے منہج تاریخ کے زیر اثر روایات و واقعات سے نتائج اخذ کرنے اور اس واقعہ میں پوشیدہ مضمرات کے طریق سے آگاہ و آشنا ہو چکے تھے۔ وہ اہم واقعات کو واقعہ نگاری کے انداز میں بیان کرنے کے بعد اس پر ایک تجزیاتی نگاہ ڈالتے ہیں عام اہل سیر کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں اور قدیم کتبِ مغازی و تاریخ کے بیانات کو بنیاد بنا کر مستشرقین نے جو نتیجہ خیزی کی ہوتی ہے، اس کا منصفانہ جائزہ لیتے ہیں۔ تاریخی تحقیق وتنقید کا انداز ابتداء انہی یورپین کی تصانیف سے اخذ کیا۔ بعد ازاں اسی اسلوب میں ان کی غلط بیانیوں کا جواب دیا۔

مقدمہ سیرت میں رقم طراز ہیں: ''ارباب سیر اکثر واقعات کے اسباب وعلل سے بحث نہیں کرتے، نہ ان کی تلاش وتحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس باب میں شُبہ نہیں ہے کہ اس بارے میں اہلِ مغرب کے مؤرخین کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے۔ یورپین مؤرخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے اور نہایت دوراز کار قیاسات اور احتمالات سے سلسلہ معلولات پیدا کرتا ہے۔ اس میں کچھ اس کی خود غرضی اور خاص مقصد و مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقصد کو ایک محور بنا لیتا ہے اور تمام واقعات اسی کے گرد گردش کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے کہ اسلامی مؤرخ نہایت سچائی اور خالص بے طرف داری سے واقعات کو ڈھونڈتا ہے۔ اس کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ واقعات کا اثر اس کے مذہب، معتقدات اور تاریخ پر کیا پڑے گا۔ اس کو صرف واقعیت سے غرض ہوتی ہے۔ باقی معاملات اس کے نزدیک بے حیثیت ہوتے ہیں۔'' (۱۵)

فاضل مصنف کی نظر میں اسباب ومعلولات سے بالکل قطع تعلقی اور عدم توجہی کی بنا پر قارئین بعض اوقات واقعہ سے غیر صحیح نتائج اخذ کر لیتے ہیں اور مستشرقین ان واقعات کو اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں ابتدائی مؤرخین میں تجزیہ، تعلیل اور تنقید کی کمی نظر آتی ہے، جب کہ غیر معمولی واقعات اور تاریخ و اعتقادات پر غیر معمولی اثر ڈالنے والے وقائع کے رواۃ کا باریک بینی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (۱۶)

فاضل سیرت نگار نے ان اصولوں کو پیش نظر رکھ کر روایات سیرت کا تنقیدی جائزہ لیا ہے جس کے نتیجے میں کئی

کر نکل گیا تھا اس وقت یہ کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے کہ دونوں میں ایک کا وعدہ ہے۔اس لیے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے جب دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہوسکتا ہو۔ الخ

۳۔ سب سے قابل لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیت مذکور بالا میں کفار کے دوفریق کا خدا نے بیان کیا ہے کہ ایک قافلہ تجارت اور دوسرا صاحب شوکت یعنی کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے آرہے تھے، آیت میں تصریح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروانِ تجارت پر حملہ کیا جائے۔ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں پر ناراضی ظاہر کی۔وتودون ان غیر ذات الشوکة تکون لکم و یرید اللّٰہ ان یحق الحق بکلمته ویقطع دابر الکافرین (اورتم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجائے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے، اور ان کافروں کی جڑ کاٹ دے) ایک طرف وہ لوگ ہیں جو قافلہ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں دوسری طرف خدا ہے جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے، اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ عام روایتوں کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا۔ میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں۔

۴۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہیں کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر وانصار ساتھ ہیں۔ ان میں فاتح خیبرؓ اور حضرت امیر حمزہؓ بھی ہیں جس میں ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید میں بتصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے کچھ صحابہؓ کا دل بیٹھا جاتا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منہ میں لیے جاتا ہے۔ اگر صرف قافلہ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف یہ اضطراب، یہ پہلو تہی کس بنا پر تھی؟ قرآن مجید میں ایک اور آیت اسی بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس وقت جب آپ مدینہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ آیت تھی:لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر۔۔۔الخ (۲۲) (اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں۔ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے، اور یوں اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے)

صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پہلے ''غیر اولی الضرر'' کا جملہ نہ تھا۔ یہ آیت سن کر حضرت عبداللہ بن مکتومؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اندھے پن کا عذر کیا۔ اس پر وہیں یہ جملہ نازل ہوا: غیر اولی الضرر یعنی معذوروں کے سوا۔ یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں معلوم ہوگیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہیں بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے۔ کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لئے بدر میں آئے تھے ان کی نسبت قرآن مجید میں ہے۔

''صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے یا مال غنیمت لوٹنے پر تھا۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپؐ رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: أَبْكِي لِلَّذِي عَرَضَ عَلَيَّ أَصْحَابُكَ مِنْ أَخْذِهِمُ الْفِدَاءَ . یعنی تمہارے ساتھیوں نے فدیہ لیا اس پر جو خدا کی طرف سے پیش کیا گیا اس پر میں رو رہا ہوں۔ عموماً لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیرانِ جنگ کو قتل کیوں نہیں کر ڈالا چنانچہ لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُونَ لَهٗ اَسرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ. لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے کہ میدان جنگ میں جب تک کافی خون ریزی نہ ہو چکے قیدی بنانا مناسب نہیں۔ اس سے یہ کیوں کر ثابت ہوسکتا ہے کہ اگر خون ریزی سے پہلے گرفتار کر لیے گئے تو لڑائی کے بعد بھی وہ قتل کیے جاسکتے ہیں۔ (۲۸)

۳۔ شراب کی حرمت کا زمانہ نزول:

شراب کی حرمت کا قطعی حکم قرآن کریم میں اس طرح مذکور ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ، اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ. (۲۹)

مسلمانو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں تو تم اس سے باز آؤ کہ تم کو فلاح حاصل ہو۔ شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور جوئے کے ذریعے دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو خدا کی یاد اور نماز سے روک دے تو بولو: تم باز آتے ہو۔

حافظ ابن حجر نے اس آیت کا زمانہ نزول ۸ھ یعنی فتح مکہ کا سال قرار دیا ہے۔ (۳۰) علامہ شبلی نے حافظ ابن حجر کے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور مسند احمد کی روایت سے ان کے استدلال کو صحیح نہیں قرار دیا ہے۔ فاضل سیرت نگار لکھتے ہیں:

''ہماری رائے میں حافظ ابن حجر کا خیال اور استدلال صحیح نہیں، اس روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان صاحب کو شراب کی حرمت کا حال فتح مکہ تک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت حرمت نازل بھی نہیں ہوئی تھی۔ بہت سے احکام ہیں جن کی خبر دور کے رہنے والوں کو بہت دیر کے بعد ہوئی، علاوہ اس کے خود بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی۔ یہ کس طرح ممکن نہیں کہ شراب جیسی ناپاک چیز ۸ھ تک حلال رہتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو برس پہلے حرام ہوئی۔ حقیقت میں شراب ہجرت کے تیسرے یا چوتھے برس حرام ہو

کتاب النکاح میں ابن عباس کی زبانی جو نہایت تفصیلی روایت ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ مظاہرہ ازواج مطہرات سے انعزالی، افشائے راز، آیتِ تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہیں۔(۳۹)

۶۔غرانیق العلیٰ کی تحقیق:

بعض کتبِ تفسیر وسیرت کے حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی سے متعلق ایک گمراہ کن واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ حرم پاک میں نماز ادا کر رہے تھے، وہاں کفار بھی موجود تھے۔ جب آپ نے مذکورہ آیت پڑھی تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے۔ تلك الغرانيق العلى ان شفاء عتهن لترتجیٰ ۔(یہ بت معظم ومحترم ہیں اوران کی شفاعت مقبول ہے)۔اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔صحیح بخاری میں واقعہ کی نوعیت صرف اتنی ہے کہ بروایت ابن عباسؓ سورۃ النجم کی آیت پر سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں اور جن وانس کو سجدہ کیا۔(۴۰)

علامہ شبلی نے واقعہ کا اتنا حصہ تسلیم کیا ہے جتنا کہ بخاری میں مذکور ہے باقی القاء شیطان کی جو وضاحت کی ہے وہ بہت اہم اور عقل کو اپیل کرتی ہے، علامہ نے کفار کی دو عادتیں نقل کی ہیں۔اول جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت کرتے تو شور مچاتے اور اپنی طرف سے فقرے ملا دیتے۔دوم قریش کا معمول تھا کہ جب کعبہ کا طواف کرتے تو یہ فقرے کہتے جاتے:

واللات والعزى ومناة الثالثة الاخرى، فانهن الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجیٰ .

لات وعزیٰ اور تیسرے بُت منات کی قسم یہ بلند و بزرگ ہیں اوران کی شفاعت باعث امید ہے۔

فاضل سیرت نگار نے ان دونوں عادتوں کے ضمن میں یہ استدلال کیا ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورہ النجم کی وہ آیتیں پڑھیں تو کسی شیطان (کافر) نے یہی فقرے آپ کی آواز میں ملا کر پڑھ دیئے ہوں گے، دور کے لوگوں کو (کفار میں سے) شبہ ہوا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی وہ الفاظ ادا کیے۔اس واقعہ کا چرچا جب مسلمانوں میں ہوا ہوگا تو لوگوں نے کہا ہوگا کہ کسی شیطان نے آپ کی طرف سے وہ فقرے کہلائے ہوں گے۔اس واقعہ نے روایتوں میں صورت بدل بدل کر یہ صورت اختیار کر لی کہ شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے، اور جوں کہ عام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ شیطان دوسرے شخص کی زبان سے بول سکتا ہے۔اس لیے راویوں نے اس روایت کو تسلیم کر لیا۔(۴۱) علامہ شبلی نے "المواهب اللدنيه" کی عبارت اپنی اس توجیہ کے حق میں پیش کی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرت النبی (۷ جلد)، الفیصل ناشران، لاہور، ۱۹۹۱ء
۲۔ ندوی، سید سلیمان، حیات شبلی، ص: ۱۸۷
۳۔ سیرت النبی، ۱/۴۷
۴۔ ایضا، ۱/۴۷
۵۔ ایضا، ۱/۴۹
۶۔ ایضا، ۱/۴۵
۷۔ ایضا، ۱/۴۵-۴۶
۸۔ ایضا، ۱/۱۱۹
۹۔ ایضا، ۱/۴۷
۱۰۔ ملاحظہ ہو! شبلی نعمانی: الکلام، ص: ۱۹
۱۱۔ سیرت النبی ۱/ ۶۵
۱۲۔ ایضا، ۱/۵۹
۱۳۔ ایضا، ۱/۶۱
۱۴۔ ایضا، ۱/۴۵
۱۵۔ ایضا، ۱/۴۳
۱۶۔ ایضا، ۱/۴۷
۱۷۔ ایضا، ۱/۱۹۵ تا ۱۹۸
۱۸۔ شبلی نعمانی، الفاروق، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۲۸-۴۱
۱۹۔ سیرت النبی، ۱/۲۰۰
۲۰۔ ایضا، ۱/۲۰۱
۲۱۔ الانفال، آیات ۵ تا ۷
۲۲۔ النساء: ۹۵
۲۳۔ الانفال: ۴۷